بجلی کا علاج (Ultraviolet Rays Treatment)

علامہ اقبال کے برقی علاج کے بارے میں کئی خطوط، حوالوں، رسالوں اور کتابوں میں لکھا جا چکا ہے۔ اس علاج کا سب سے مفصل بیان صہبا لکھنوی کی شاہکار کتاب ''اقبال اور بھوپال'' میں ملتا ہے۔ علامہ اقبال نے تین بار بجلی کے علاج کے سلسلے میں بھوپال میں قیام کیا۔ پہلی بار ۳۱/جنوری ۱۹۳۵ء سے ۷/مارچ ۱۹۳۵ء تک، دوسری بار ۱۷/جولائی ۱۹۳۵ء سے ۲۸/ اگست ۱۹۳۵ء تک اور تیسری بار ۲/مارچ ۱۹۳۶ء سے ۸/اپریل ۱۹۳۶ء تک۔

بھوپال کے ممتاز ہسپتال ''پرنس آف ویلز ہسپتال'' میں جس کا بعد میں ''حمیدیہ ہسپتال'' نام رکھا گیا علامہ کا علاج کیا گیا۔ بھوپال کے قیام کے دوران جن ڈاکٹروں نے علامہ کا طبی معائنہ اور بجلی کا علاج کیا اُن میں ڈاکٹر عبدالباسط چیف ریڈیالوجسٹ، ڈاکٹر رحمٰن، ڈاکٹر بوس، ڈاکٹر حسن حمید کے علاوہ مشہور حکیم سید ضیاء الحسن اور حکیم سلطان محمود شامل تھے۔ لیکن بہر حال اس علاج کی سرپرستی ڈاکٹر عبدالباسط انصاری کے ہاتھ تھی۔ جب ڈاکٹر عبدالباسط انصاری اور خان بہادر ڈاکٹر رحمٰن کی تشخیصوں میں اختلاف ہوا تو اقبال کی میڈیکل ہسٹری اور سینے کے ایکس ریز کو ویانا آسٹریا کے ماہرین کی ارائے (Consultation) کے لیے ڈاکٹر عبدالباسط کے بھانجے ڈاکٹر مظفر علی جو ویانا میں گوش وحلق و بینی کے مخصص تھے (ENT Specialist) بھیجا گیا تھا۔ اقبال کا بھوپال میں تین بار علاج ہوا ور ہر بار 8یا10 (دس) دفعہ Ultraviolet Rays دیئے گئے۔ اقبال کا بجلی یا برقی علاج ان کے گلو کے درد اور خصوصاً آواز کے بیٹھ جانے کے لیے ہوا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ صہبا لکھنوی کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ بھوپال میں اقبال کا نقرس کا علاج ہوا۔ یہ سچ ہے ان کو تمام عمر خفیف اور کبھی کبھار شدید نقرس کا درد ہوتا تھا لیکن بھوپال کے بجلی کے علاج یا ڈاکٹر عبدالباسط انصاری کے سینے کے ایکس ریز سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ صہبا لکھنوی اقبال اور بھوپال کے صفحہ (88) پر لکھتے ہیں ---

''لیکن ۱۹۳۴ء میں نقرس کی شکایت نے شدت اختیار کر لی تو عرصہ تک آپ نے دلی کے مشہور طبیب حکیم نابینا عبدالوہاب انصاری کا علاج کیا اور اس علاج معالجہ کے سلسلے میں نذیر نیازی اقبال کی ہر ممکن خدمت کرتے رہے۔ خطوط کے ذریعہ اقبال اپنا حال نذیر نیازی کو دلی لکھ بھیجتے وہ سارا حال حکیم نابینا کو جا جا کر سناتے دوائیں حاصل کرتے اور ذریعہ پارسل لاہور روانہ کر دیتے .....اسی سلسلے میں وہ اوائل ۱۹۳۵ء میں نواب بھوپال اور راس مسعود کی

خواہش پر پھر بھوپال آئے اور بجلی کے ذریعہ نقرس کا علاج شروع کرایا۔ علاج کے سلسلے میں وہ تین بار بھوپال آئے''۔

صہبا لکھنوی اقبال اور بھوپال کے صفحہ (193) پر لکھتے ہیں ---'' بھوپال کے قیام اور نقرس کے علاج کے سلسلے میں اقبال کے خصوصی معالج کی حیثیت سے ڈاکٹر عبدالباسط کا نام سرفہرست ہے۔''

اقبال اور بھوپال میں کئی مقامات پر صہبا لکھنوی نے خطوط اور حوالوں کے ساتھ اقبال کے گلو درد اور آواز بیٹھ جانے کے علاج کا بھی ذکر کیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ صہبا لکھنوی نے نقرس اور گلو درد کو ایک ہی مرض سمجھ کر گفتگو کی ہے چنانچہ اسی لیے ہم نے فوق ذکر گفتگو کر کے اس غلط فہمی کو دور کیا ہے۔

قصہ مختصر اقبال کا بجلی کا علاج کامیاب نہ ہوا ان کی آواز اُسی طرح بیٹھی رہی چنانچہ اقبال نے حکیم نابینا کو خط لکھ کر ان سے اس علاج کے لیے اکسیر طلب کی۔ اقبال نے حکیم صاحب کو بتایا کہ ڈاکٹروں کو آواز کی بابت مایوسی ہے اور مجھے آپ کی روحانیت پر بھروسہ ہے۔ آخری علالت کے ایام میں اقبال آواز کی بہتری سے مایوس ہو چکے تھے۔

ذیل کے خطوط، اظہارات کے بیانات اور مستند حوالوں سے بجلی کے علاج کے تمامتر گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اس لیے ہم بغیر کسی تبصرہ کے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

اقبال کا خیال آواز کے علاج کے لیے پہلے آسٹریا ویانا یا لندن جانے کا تھا لیکن بعد میں اس خیال کو ترک کر کے بھوپال گئے۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۴ء کو ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں۔

''آپ کی حسبِ خواہش ضرور بھوپال جا کر بجلی کے ذریعہ علاج کراؤں گا۔''

۲ر اپریل ۱۹۳۴ء کو عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں---

''البتہ دو ڈھائی ماہ سے Acute Laryngitis کی شکایت ہے جس کی وجہ سے بولنے یا عام طور پر کلام کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ بہت علاج کیا مگر فائدہ نہیں ہوا۔ لندن انشاء اللہ اگلے سال جاؤں گا۔ اگر آواز نارمل نہ ہوئی تو ویانا جانے کا قصد ہے''۔

۱ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں---

''جناب کی گراں قدر رائے کا شکریہ۔ انشاء اللہ ضرور بھوپال جاؤں گا اور بجلی کے علاج سے بھی استفادہ حاصل کروں گا۔ میں نے صحت کی مجبوریوں کے باعث ولایت جانے کا قصد ترک کر دیا ہے''۔

صہبا لکھنوی اقبال اور بھوپال میں لکھتے ہیں ---

''اقبال اور راس مسعود کے تعلقات کی ابتدا ۱۹۲۹ء میں ریاست حیدرآباد میں ہوئی تھی جب راس مسعود ناظم تعلیمات تھے اور اقبال توسیعی لیکچروں کے سلسلے میں وہاں دوسری بار گئے تھے۔ یہ روابط آہستہ آہستہ دوستی اور محبت میں تبدیل ہوئے۔ پھر ۱۹۳۳ء میں اقبال راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی کے ساتھ افغانستان کے سفر پر گئے جہاں یہ رشتے اور مستحکم ہو گئے۔

نومبر ۱۹۳۳ء میں بھوپال آنے کے بعد راس مسعود کو اقبال کی علالت کا علم ہو چکا تھا۔ دیگر نیاز مندوں کی طرح اُنہیں بھی اقبال کی مسلسل علالت سے پریشانی تھی۔ حمیدیہ ہسپتال کے ماہر ڈاکٹروں سے مشورے کے بعد اُنھوں نے اقبال سے بھوپال آکر علاج کرانے پر اصرار کیا۔ نواب صاحب بھوپال بھی اقبال کی علالت سے فکر مند تھے۔ اور اُن کی خواہش بھی یہی تھی کہ اقبال بھوپال آکر اپنا علاج کرائیں۔ راس مسعود اور اقبال کے درمیان نومبر اور دسمبر ۱۹۳۴ء کے دوران مسلسل خط و کتابت رہی۔ بالآخر اقبال نے بھوپال جانے کا قصد کر لیا۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ ۳۱ر جنوری ۱۹۳۵ء سے پہلے بھوپال نہ پہنچ سکے۔''

۵ر جنوری ۱۹۳۵ء کو سید نیازی کو لکھتے ہیں ---

''حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ حالت میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ آواز بدستور ہے..... میں یہاں سے اس ماہ کے آخر میں بھوپال جاؤں گا۔ آپ کو پہلے سے مطلع کر دوں گا''۔

۲۶ر جنوری ۱۹۳۵ء کو سید نیازی کو لکھتے ہیں ----

''میں ۲۹ر جنوری کی شام کو یہاں سے روانہ ہو کر ۳۰ر کی صبح دہلی پہنچوں گا دہلی میں صرف ایک روز ٹھہرنے کا موقع ہوگا۔ مزید دوا کے لیے اسٹیشن پر گفتگو ہوگی پھر آپ اِسے بھوپال ارسال کر دیں''۔

اقبال بھوپال پہنچ کر مختلف احباب کو خطوں میں علاج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۵ر فروری ۱۹۳۵ء بنام سید نذیر نیازی ----

''طبی معائنہ کل ختم ہوا۔ یہاں کے ڈاکٹر نہایت ہوشیار ہیں۔ اور ہسپتال نہایت عمدہ ہے۔ طبی معائنہ سے جو نہایت مکمل تھا حکیم صاحب کی بہت سی باتوں کی تائید ہوئی۔ بہر حال آج گیارہ بجے سے Ultra Violet Rays کا غسل شروع ہوگا جو ابتدا میں صرف ۷ منٹ روزانہ ہوگا''۔

۶ر فروری ۱۹۳۵ء کو ریاض منزل بھوپال سے راغب احسن کو لکھتے ہیں ----

''بجلی یعنی Ultra Violet Rays کے ذریعہ علاج کل سے شروع ہے۔ چند روز تک معلوم

ہوگا کہ کس قدر رفائدہ اس سے ہوتا ہے"۔
۹رفروری ۱۹۳۵ءکو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

"بجلی اور Ultra violet Rays سے علاج شروع ہے ایک آدھ ہفتے کے بعد معلوم ہوگا کہ اس سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ ڈاکٹر صاحبان یقین دلاتے ہیں کہ ضرور ہوگا"۔
۱۳رفروری ۱۹۳۵ءکو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

"بجلی کا علاج ابھی صرف چار دفعہ ہوا ہے کچھ خفیف سا فرق آواز میں ہے مگر زیادہ وضاحت سے آٹھ دس دفعہ کے علاج کے بعد معلوم ہوگا"۔

سر راس مسعود کے سکریٹری ممنون حسن خان کی زبانی اقبال کے پہلے اس سفر علاج کی جھلکیاں سنیئے ۔

"مجھے یاد ہے سر راس مسعود بڑی بے چینی سے علامہ کا انتظار کر رہے تھے جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کا منتظر ہو۔ جب گاڑی آئی تو ایک صاحب افغانی ٹوپی، شلوار اور پنجابی کوٹ میں ملبوس پلیٹ فارم پر اُترے۔ سر راس کی نظر اُن پر پڑی تو اس طرف تیزی سے آگے بڑھے اور ان کے منہ پر اس قدر بوسے لیے کہ لوگ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ جلد ہی سر راس مسعود میری طرف متوجہ ہوئے اور علامہ اقبال سے کہا۔ اس لڑکے سے ملو یہ میرا سکریٹری ہے۔ علامہ کا قیام ریاض منزل میں ہوا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں بیٹھ کر اقبال نے اپنی نظم "نگاہ" تخلیق کی تھی۔ رات کے کھانے کا انتظام سر راس مسعود نے خاص طور پر کیا تھا۔ علامہ اقبال نے سر راس مسعود کے ساتھ ہی ڈائننگ روم میں کھانا کھایا۔ کھانے کے درمیان ہی علامہ اقبال نے کہا کہ میرا کھانا سادہ ہونا چاہیئے اور میں ڈائننگ روم میں کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ کھانے کے بعد میں علامہ اقبال کا کمرہ دیکھنے گیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ وہ بستر جو سر راس مسعود نے اپنے مہمان عزیز کے لیے بچھوایا تھا اُسے ان کے ملازم نے اٹھا دیا تھا اور اُس کی جگہ اقبال کا معمولی بستر لگا دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ علامہ اقبال کے بستر پر دو کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک مثنوی مولانا روم اور دوسری دیوان غالب۔ ان کے پلنگ کے قریب ہی ایک پنجابی حقہ رکھا ہوا تھا"۔

"ریاض منزل" کے زمانۂ قیام کے ایک اور غیر معمولی واقعے کا تذکرہ سید نذیر نیازی کے مضمون بہ عنوان "علامہ اقبال کی آخری علالت" میں ہمیں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ---

"بھوپال میں حضرت علامہ کا قیام بالعموم سر راس مسعود مرحوم ہی کے یہاں رہتا تھا اور سر راس مسعود اُن کے آرام و آسائش کا اتنا خیال رکھتے کہ خود حضرت علامہ کو بھی تعجب ہوتا۔

اُنھوں نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک روز جب انھیں پیٹھ کے درد کا ہلکا سا دورہ ہوا تو ڈاکٹروں نے سرراس مسعود سے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اس درد کا اصلی سبب ضعفِ قلب ہے لہٰذا انھیں چاہیے کہ نقل و حرکت میں احتیاط رکھیں۔ حضرت علامہ کہتے ہیں:

''ریاض منزل'' میں میرا قیام بالائی کمروں میں تھا۔ جب میں اوپر جاتا تو سید صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ دونوں ہاتھوں سے مجھے سہارا دیتے تا کہ زینہ چڑھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ ایک آدھ روز تو خیر میں نے اپنے شفیق دوست کی پاسداری کے خیال سے کچھ نہ کہا لیکن تیسری مرتبہ جب پھر یہی صورت پیش آئی تو میں نے کہا۔ آپ اور لیڈی صاحبہ ناحق تکلیف کرتے ہیں۔ اسی دن یا شاید اگلے روز میں چھت پر ٹہل رہا تھا کہ سرراس مسعود دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور گھبرا کر کہنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب آپ کیا غضب کرتے ہیں، آرام سے لیٹے رہیے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ تو اُنھوں نے بتلایا کہ ڈاکٹروں کے نزدیک میری بیماری کس قدر خطرناک ہے۔''

برقی علاج کے سلسلے میں اقبال پہلی بار (37) دن بھوپال میں رہے۔ اس دوران انھوں نے ریاض منزل میں سات نظمیں لکھیں۔ ضربِ کلیم میں موجود یہ نظمیں سلطانی، تصوف، وحی، مقصود، حکومت، نگاہ اور اُمید اس علاج کی روداد کو تازہ کرتی رہیں گی۔ اس قیام کے دوران بھوپال کے نواب اقبال سے بہت متاثر ہوئے اور سرراس مسعود کو اُس گزارش پر پانچ سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا جس میں انھوں نے لکھا تھا۔ ''دورِ حاضر کے سب سے بڑے مسلم زندہ شاعر سر محمد اقبال کے نام نامی سے آپ ضرور واقف ہوں گے ان کا نہ صرف ہماری قوم کی ذہنی و فکری زندگی میں بلند ترین مقام ہے بلکہ مغربی دنیا آج انھیں ادب و فلسفہ ہر دو کے میدان میں مسلمانانِ ہند کی ثقافت کا عظیم نمائندہ تسلیم کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے گزشتہ بارہ ماہ سے وہ حلق کے ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہیں اور اس کی کوئی امید باقی نہیں کہ وہ آئندہ کبھی اپنی بیرسٹری کی پریکٹس جاری کر سکیں گے جو ان کی معاش کا واحد وسیلہ تھی''۔ چنانچہ بھوپال کے نواب کے پنشن کی اطلاع ملی تو یکم جون ۱۹۳۵ء کو سید نیازی کو لکھا۔

''نواب صاحب نے میری لائف پنشن پانچ سو روپیہ ماہوار کر دی ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ انھوں نے میرے ساتھ عین وقت پر سلوک کیا۔ اب اگر صحت اچھی رہی تو بقیہ ایام قرآن شریف پر نوٹ لکھنے میں صرف کر دوں گا''۔

اقبال کے اس پہلے برقی علاج سے آواز پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ

اقبال کم از کم تین مہینے بھوپال میں رہ کر بجلی کا علاج کے کئی دورے کراؤ ئیں لیکن لاہور میں ان کی بیوی سردار بیگم کی حالت تشویش ناک ہوتی جا رہی تھی اس لیے اقبال لاہور روانہ ہوئے چنانچہ واپس ہو کر ۱۹ر مارچ ۱۹۳۵ء کو عرشی صاحب کو خط میں لکھتے ہیں ---

''میری صحت عامہ تو بہت بہتر ہو گئی ہے مگر آواز پر ابھی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ علاج برقی ایک سال تک جاری رہے گا۔ دو ماہ کے وقفے کے بعد پھر بھوپال جانا ہوگا''۔

اُدھر ۹ر مئی ۱۹۳۵ء کے خط میں سر راس مسعود نے لکھا ---

''مئی کے آخر تک یہاں آجاؤ اور اپنا علاج جاری رکھو''۔

اقبال ۱۱ر جولائی ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''میں دو چار روز تک بھوپال جاؤں گا اور قریباً ڈیڑھ ماہ وہاں ٹھہروں گا''۔

۱۳ر جولائی ۱۹۳۵ء کو نیازی کو لکھتے ہیں ---

''میں یہاں سے ۱۵ر جولائی کی شام (فرنٹیر میل) بروز سوموار روانہ ہو کر ۱۶ر کی صبح دہلی پہنچوں گا۔ وہاں تمام دن قیام رہے گا تا کہ جاوید دہلی دیکھ سکے۔ آپ مجھ سے ریلوے اسٹیشن پر ملیں اور بھوپال کی گاڑی میں جو وہاں شام کو چلے گی میرے لیے دو سیٹ سیکنڈ کلاس (لوئر برتھ) ریزرو کروالیں''۔

اقبال ۱۷ر جولائی ۱۹۳۵ء کو دوسری بار بھوپال پہنچے۔ اس بار ان کا قیام شاہی مہمان کی طرح شیش محل میں رہا۔ دوسرے دن ہی اقبال کا معائنہ اور علاج شروع ہو گیا۔ اور چند ہی روز میں اقبال کی صحت ٹھیک ہونے لگی چنانچہ یکم اگست ۱۹۳۵ء کو سید نیازی کو لکھتے ہیں ---

''میری صحت ترقی کر رہی ہے۔ الحمد للہ''۔

۵ر اگست ۱۹۳۵ء کو شجاع الدین کو لکھتے ہیں ---

''میں بغرض علاج بھوپال میں مقیم ہوں اور اگست کے آخر تک یہاں رہوں گا میری صحت عامہ پہلے کی نسبت بہت اچھی ہے اور آواز میں بھی کسی قدر فرق ہے۔ امید ہے کہ اس دفعہ کے علاج سے بہت فائدہ ہوگا''۔

۶ر اگست ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''میں ۲۸ر اگست تک اپنے علاج کا کورس ختم کر لوں گا''۔

۱۰ر اگست ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''آواز میں بھی فرق ہے۔ امید کہ اب کے علاج سے فائدہ ہوگا۔ میں غالباً ۲۶ یا ۲۸ اگست کو یہاں سے روانہ ہوں گا۔ شاید ایک دفعہ اور بھوپال آنا پڑے''۔

۲۴ر اگست ۱۹۳۵ء کو سیدنذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''میں ۲۸ر اگست کی شام کو یہاں سے روانہ ہو کر ۲۹ر کی صبح آٹھ بجے دہلی پہنچوں گا۔ دن بھر ریلوے اسٹیشن پر قیام رہے گا۔رات کی گاڑی میں وہاں سے روانہ ہو کر ۳۰ر کی صبح انشاء اللہ لاہور دہلی سے میرے لیے دوسیٹ سیکنڈ کلاس لوئر برتھ ریزرو کرا چھوڑیں''۔

بھوپال میں برقی علاج کے دوسرے دور نے اقبال کی صحت پر اچھا اثر ڈالا۔ یوں تو وہ علاج کے مسائل میں مصروف تھے لیکن شیش محل میں انھوں نے قرآن کریم پر نوٹس لکھنے کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔فکر اور استغراق میں ہمیشہ ڈوبے رہے۔ جب کبھی موقع ملتا اور طبیعت میں آمد کا نزول ہوتا تو شعر بھی کہتے۔چنانچہ شیش محل کی پرسکون ماحول میں اقبال نے پانچ نقشیں لکھیں جو اب ضرب کلیم کی زینت ہیں۔ صبح، مومن، ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام، جمعیت اقوام شرق اور مسولینی وہ نقشیں ہیں جو اسی قیام کے دوران لکھی گئیں۔ یہی نہیں، بلکہ اقبال نے اس مختصر قیام کے دوران کئی مشاہیر احباب اور افراد سے خط و کتابت بھی کی اور اس طرح سیاست اور قومی مسائل میں پوری طرح شریک بھی رہے۔

بھوپال کے علاوہ دہلی کا لال قلعہ، قطب مینار اور نظام الدین اولیاء کے مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔اسی سفر کے دوران سروجنی نائیڈو سے بھی ملاقات رہی۔

اقبال برقی علاج کے دوسرے کورس سے لاہور واپس پہنچتے ہی شدید بیمار ہو گئے اور پھر عام بیماری آواز کی کیفیت، کھانسی، دمہ اور بلغم وغیرہ کی شکایت بڑھنے لگی۔تمام ستمبر اور اوائل اکتوبر بیماریوں کی نذر ہوگیا۔چونکہ جشن حالی پانی پت میں منایا جا رہا تھا اور اقبال نے اس میں شرکت کا پہلے وعدہ کر لیا تھا اس لیے اسی مضمحل کیفیت میں پانی پت پہنچے اور تقریب میں بھی شرکت کی لیکن خود آواز کی خرابی کی وجہ سے اشعار سنا نہ سکے۔ جناب جمیل نقوی صاحب، صہبا لکھنوی کو ایک خط میں جشن حالی کی روداد لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔۔۔

''سیدین صاحب نے اعلان کیا کہ علامہ اقبال کی نظم ایک اور صاحب سنائیں گے کیوں کہ اُس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کی آواز پر کسی عارضہ کا اثر تھا اور بہت آہستہ آہستہ بولتے تھے۔نظم سنانے والے صاحب بڑے خوش الحان تھے۔ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی گئی کہ نظم خوانی کے دوران ڈائس پر تشریف رکھنے کی زحمت گوارا کریں۔ پہلے ہی شعر پر داد کا شور بلند ہوا۔

مزاج ناقہ را مانند عرفی نیک می دانم
چوں محمل را گراں بینم حدی را تیز تر خوانم

طواف مرقد حافظ سزاوار باب معنی را
نوائے او بجا نہا افگند شوری کہ من دانم

خود نواب صاحب بھوپال جھک کر ڈاکٹر صاحب کو داد دیتے جاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس وقت کیا جذبات تھے ان کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ البتہ چہرہ پر سرخی دوڑ گئی تھی"۔

خطوط اور حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کی صحت پر پانی پت کے سفر کا برا اثر پڑا۔ اقبال کے معالج ڈاکٹر عبدالباسط اور رفیق سر راس مسعود ان کو علاج کے سلسلے میں بھوپال بلوا رہے تھے پہلے تو انھوں نے بھوپال جانا ملتوی کر دیا۔

۳ر جنوری کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

"ایک ایرانی الاصل سید زادہ کی دوا نے بہت فائدہ کیا۔ کیا عجب کہ آواز پھر عود کر آئے۔ اس کا دعویٰ تو یہی ہے۔ اسی واسطے میں نے چند روز کے لیے بھوپال جانا ملتوی کر دیا ہے"۔

پھر ۱۷ر جنوری ۱۹۳۶ء کو لکھتے ہیں ---

"میں جنوری کے آخر یا مارچ کے پہلے ہفتہ میں بھوپال جانے کا قصد رکھتا ہوں"۔ اقبال کے برقی علاج کا تیسرا اور آخری کورس ۲ر مارچ اور ۸ر اپریل ۱۹۳۶ء کے درمیان ہوا۔

۳ر مارچ سید نذیر نیازی کو اقبال لکھتے ہیں ---

"میں انشاءاللہ ۹ر اپریل کی شام ساڑھے سات بجے لاہور پہنچ جاؤں گا"۔

اس قیام کے دوران دن کا بیشتر حصہ اقبال کا علاج کی نذر ہو جاتا تھا۔ دوپہر اور شام کو شیش محل یا کسی دوست کے گھر پر دل چسپ موضوعات پر گفتگو رہتی۔

اسی قیام کے دوران اقبال نے ایک فارسی مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق کے نام سے لکھنی شروع کی جو لاہور جا کر تکمیل کی۔ اس مثنوی کی بابت ۲۹ر جولائی ۱۹۳۶ء کو سر راس مسعود کو لکھتے ہیں ---

"۳ر اپریل کی شب کو جب میں بھوپال میں تھا میں نے تمہارے دادا رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ مجھ سے فرمایا کہ اپنی علالت کے متعلق حضور رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کر۔ میں اسی وقت بیدار ہو گیا اور کچھ شعر عرض داشت کے طور پر فارسی زبان میں لکھے۔ کل ساٹھ شعر ہوئے لاہور آ کر خیال ہوا کہ یہ چھوٹی سی نظم ہے اگر کسی زیادہ بڑی مثنوی کا آخری حصہ ہو جائے تو خوب ہو۔ الحمدللہ"۔

علامہ اقبال کے چند اشعار جو ان کی فارسی مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق کے

''درحضور رسالتمآب'' زیر عنوان نظم میں بیماری، تندرستی اور تلخ دواؤں سے چھٹکارے کی دعا کرتے ہوئے لکھے گئے، یہاں پیش کرتے ہیں۔

کار این بیمار نتوان بُرد پیش
من چوں طفلاں نالم از داروئ خویش
در نسازد با دوا ہا جان زار
تلخ و بویش بر مشامم ناگوار
با پرستاران شب دارم ستیز
باز روغن در چراغ من بریز

(ترجمہ) یعنی بیماری سے چھٹکارا نہیں اور میں بچوں کی طرح کڑوی دواؤں سے گھبراتا ہوں۔ میں تاریکی پھیلانے والوں سے لڑ رہا ہوں کچھ اور تیل میرے چراغ میں ڈال دے۔اس تیسرے برقی علاج کے بعد بھی اقبال کی آواز ٹھیک نہ ہو سکی۔

عمل سرجری سے علاج (Surgical Procedures)

الف = علامہ اقبال کے کئی بار مسوڑے کے آپریشن ہوئے۔خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسوڑہ پھول جاتا اور تکلیف شدید رہتی تو ڈنٹل سرجن سے مسوڑے کا آپریشن کرواتے۔

ب = ۱۹۲۸ء میں جب بائیں گردے میں پتھری کی تشخیص دی گئی تو صرف عمل جراحی یا آپریشن کے ذریعہ اس بڑی پتھری کو نکالنے کی رائے دی گئی تھی۔لیکن حکیم نابینا کی دواؤں سے درد گردہ میں افاقہ ہوا اور آپریشن کی ضرورت لاحق نہ ہوئی۔

ج = ڈاکٹر متھرا داس آنکھ کے سرجن ستمبر ۱۹۳۸ء میں اقبال کی آنکھ کے موتیا (Cataract) کی سرجری کرنے والے تھے لیکن اس کی نوبت نہ آئی۔

د = علامہ اقبال نے اپنے پاسپورٹ کے ورق پر شناختی علامت کے خانے میں Scar on Left foot لکھا ہے۔ بہت ممکن ہے یہ Scar بائیں پاؤں کے بڑے انگوٹھے پر نقرس کی گٹھلی tophus سے بنا ہو یا کوئی سرجری کے عمل کا نشان نہ ہو۔ (ھوالعلم)۔نیویارک امریکہ کے مشہور شاعر اور داخلی ڈاکٹر عبدالرحمان عابد نے میرے سوال پر بتایا کہ اس بات کا امکان ہے کہ نقرس کی گٹھلی (tophus) کے جھڑ جانے کے بعد اس مقام پر scar

کا نشان ہمیشہ کے لیے رہ گیا ہو۔

❀❀❀

تشخیص اور علاج کی کوتاہیاں

طب نے قدم قدم پر لڑکھڑا کر اپنے قدموں پر چلنا سیکھا ہے۔ ہر کامیابی کے دامن میں درجنوں ناکامی کے تجربات نظر آتے ہیں اور انہی تجربات کی وجہ سے صحیح مطالب تک رسیدگی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ علامہ کی تشخیص اور اُن کا علاج اُس زمان و مکان کے لحاظ سے عمدہ ترین کہا جا سکتا ہے لیکن اصول تنقید اور اصول ترقی کا یہ لازمہ ہے کہ تصویر کے دونوں رخوں کو دیکھا جائے۔ جہاں مثبت مسائل پر گفتگو ہوئی وہیں پر منفی مسائل پر بھی بات چیت ہونی چاہئے۔ ہم یہاں پر عادلانہ قضاوت کر کے یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ اگر یہ کوتاہیاں علاج کے راستے میں حائل نہ ہوتیں تو علامہ کا علاج شاید کامیاب رہتا اور یہ چراغ جو بقول خود اقبال

ع۔ با پرستارانِ شب دارم ستیز

ظلمت اور اندھیرا پھیلانے والوں سے لڑ رہا تھا اور کچھ مدت اپنی روشنی سے فیض پہنچاتا۔

یہ سچ ہے کہ آج ستر (۷۰) سال گزرنے کے بعد جدید تحقیقات کی روشنی میں اُن سوالوں کے جواب دینا جو اُس زمانے میں معمہ بنے ہوئے تھے بہت آسان ہے کیونکہ اُس زمانے کے حکیم اور ڈاکٹر ان حقیقتوں سے نا آشنا تھے اور بقول حافظ شیرازی

ع۔ چوں نادیدن حقیقت در افسانہ زدند

(ترجمہ) کیونکہ انھوں نے حقیقت نہیں دیکھی اِس لیے اِسے افسانہ سمجھا

I۔ تمباکو نوشی، چربی اور خالص گھی کی غذائیں، سونے چاندی، اور دوسری دھاتوں کے کشتوں کا استعمال، ورزش سے گریز پر کئی حکیموں اور ڈاکٹروں نے بعض اوقات دبے الفاظ میں منفی گفتگو ضرور کی لیکن ایسی کوئی مستند تحریر ہمیں نہیں ملی جس میں شدت سے ان کے استعمال کو منع کیا گیا ہو اور دل پھیپھڑوں اور گلے کے مسئلہ سے اس کو ارتباط دے کر ترک کرانے کی کوشش کی گئی ہو جب کہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بڑی شدت سے یہ کوشش کی گئی کہ کسی طرح سے علامہ کو زرگوش اور چڑیا کا بھیجہ ضرور کھلوایا جائے۔ یا حکیم فقیر محمد صاحب نے علامہ کو دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی ہر چیز کو کھانے سے منع کر دیا۔ یہ تو

علامہ نے بہت اچھا کیا کہ حکیم صاحب کے فرمان کو بالائے طاق رکھ کر جب دل چاہا لسی، دہی اور فالودہ سے دل کو سرد کیا۔ تمباکو نوشی، چربی کا استعمال، کشتوں کا مصرف اور ورزش سے گریز نے علامہ کے بدن کو کمزور کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ دوسرے عوارض کا آسانی سے شکار ہو گئے۔ حد یہ ہے کہ حکیموں اور ڈاکٹروں کی موجودگی میں ابھی ذمہ قلبی کا دورہ ختم بھی نہیں ہوا علی بخش نے تازہ تمباکو سے جلی چلم حقہ پر رکھ کر حقہ علامہ کو پیش کر دیا۔

II۔ علامہ کے آواز بیٹھ جانے کے علاج میں کچھ غلطیاں ضرور ہوئیں۔

ا۔ ایسا لگتا ہے چڑیا کو مارنے کے لیے توپ استعمال کی گئی۔ چنانچہ چڑیا تو اڑ گئی لیکن دیوار گر گئی۔

بھوپال میں تین برقی کورس جسے علامہ نے اپنے خط میں ultra violet rays کا غسل لکھا ہے غیر ضروری اگر نہیں تو ضروری بھی نہیں تھے۔ یہاں علامہ کی زندگی اور موت کا سوال نہ تھا اس غیر کنٹرول ابتدائی برقی اکسپوژر کے کئی مضر اثرات ضرور ہوئے ہونگے۔ اگرچہ علاج کے بعد آواز ٹھیک نہ ہوئی لیکن علامہ کا چہرہ زرد چہرے پر کبھی کبھار ورم، ضعف اور ذمہ قلبی کا اثر نمایاں اور زیادہ ہو گیا شاید اس علاج نے ہڈیوں پر اثر کر کے خون کو جلا دیا ہو اور علامہ کم خونی (anemia) سے دوچار ہو گئے ہوں جس کا منفی اثر پھیپھڑوں اور قلب پر پڑا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کمزور پھیپھڑوں کو برقی علاج کی وجہ سے نقصان پہونچا ہو اور وہ سخت ہو کر پھیلنے اور سکڑنے کی کیفیت کو کھو چکے ہوں۔ اس علت کو Pulmonary Fibrosis کہتے ہیں جو Radiation کے مضر اثرات میں شامل ہے۔

گلے کے درد اور آواز کے بیٹھ جانے کے عارضہ کے علاج کے لیے اگر علامہ کو لندن یا آسٹریا روانہ کیا جاتا تو وہاں ان کے ووکل کارڈ کا معائنہ ہوتا اور بہت ممکن ہے مقامی جراحی سے مسئلہ حل ہو جاتا کیونکہ شاید ووکل کارڈ پر اُگے ہوئے polyps کو نکالنے سے آلۂ صوت کے تار پھر اپنی کیفیت پر آ جاتے اور آواز بحال ہو جاتی۔

III۔ بہتر ہوتا اگر طبی (یونانی) اور ایلوپیتھک (انگریزی) دواؤں کو ایک وقت استعمال نہ کیا جاتا۔ جدید میڈیکل تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ drug interaction اور drug reaction یعنی دو قسم کی دواؤں کے تصادم سے بدن پر خراب اثرات ہوتے ہیں۔ حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے اِدھر نیکہ لگوایا انگریزی دوا کی گولی کھائی اُدھر چند منٹ

بعد معجون یا اکسیر کے ایک دو چمچہ نوش کیے۔

IV۔ جس زمانے میں علامہ مرض الموت سے صادبِ فراش تھے اُسی زمانے میں لاہور میں جرمن کے دو عمدہ طبیب ڈاکٹر ژیلشر (Selzer) اور ڈاکٹر کیلاش مطب کر رہے تھے۔ ڈاکٹر ژیلشر نے صحیح تشخیص دی اور علاج کرنے کی خواہش کی لیکن انھیں صرف مشورہ دینے تک محدود رکھا اور ان کا علاج جو ایلو پیتھک جدید علاج تھا نہیں کروایا گیا۔ کاش کہ انھیں علامہ کے علاج کرنے کا موقع فراہم ہوتا۔

V۔ ہمیں علامہ کے خطوط، اطرافیان کے بیانات اور ڈاکٹروں کی گفتگو سے یہ پتہ نہ چل سکا کہ علامہ کے خون کے امتحان میں کبھی thyroid gland کے ہارمون کی آزمائش بھی کی گئی یا نہیں۔ ایک حالت جسے Hypothyroidism کہتے ہیں اُس میں آواز کا بیٹھ جانا، سردی کا احساس زیادہ ہونا، سُستی اور کمزور نبض کا ہونا، زرد چہرہ، چہرہ پر ورم، بھوک نہ لگنا اور قبض کی کیفیت رہنا شامل ہے۔ اور یہ تمام علامات علامہ کو تھیں جو برقی علاج کے بعد بدتر ہو گئیں۔ یہ غدہ Thyroid گردن میں آلہ صوت کے اوپر ہوتا ہے امکان یہ بھی ہے کہ hypothyroidism کی کیفیت برقی علاج کے مضر اثر سے شدت اختیار کر گئی ہو (واللہ اعلم)

بہر حال ؎

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلیھَا فان

❁❁❁

خوراک اور پرہیز

علامہ کا پاسپورٹ جو ۱۹۳۱ء میں یورپ جانے سے پہلے بنایا گیا تھا اُس کی فوٹو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کا قد پانچ فٹ اور چھ انچ تھا۔ چونکہ علامہ کے وزن کے خانہ کو خالی رکھا گیا تھا اس لیے اس مدرک سے ہمیں ان کا صحیح وزن معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن ان کی تصاویر اور اقبال کے اطرافیان کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا وزن قد کی نسبت سے متوازن تھا جو قریباً 65 اور 75 کیلوگرام ہونا چاہیے۔ علامہ کے خدمت گزار علی بخش کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ نے جو کپڑوں کا ناپ جوانی کے زمانے میں درزی کو دیا تھا اُسی کو علی بخش اُن کی آخری عمر تک کپڑوں کی سلائی کے لیے استعمال کر کے کپڑے سلواتا رہا۔

روزگار فقیر میں فقیر وحید الدین لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بس ضرورت کے مطابق کپڑے سلواتے تھے، نہ فالتو جوڑے رکھتے اور نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے خریدنے کا بھی اُنہیں شوق نہ تھا۔ ہوتا یہ کہ جب کپڑے ختم ہو جاتے تو علی بخش سے ذکر فرما دیتے۔ علی بخش ایک ان پڑھ اور پرانی وضع کا سیدھا سادھا ملازم تھا۔ وہ اپنی پسند کا کپڑا بازار سے جا کر خریدتا۔ اور درزی کے سپرد کر آتا یا کبھی اُس درزی سے ہی کہہ دیا جاتا جس کے پاس اُن کے ناپ موجود تھے۔ درزی کپڑے تیار کر کے ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دیتا۔ ڈاکٹر صاحب کسی کپڑے کی وضع قطع، تراش اور سلائی پر کوئی اعتراض نہ کرتے۔ اور نہ کسی قسم کی تنقید فرماتے۔

علامہ کی بھتیجی وسیمہ مبارک کہتی ہیں کہ اقبال آخری عمر میں تھوڑے سے نحیف اور لاغر ہو چکے تھے چنانچہ جب ان کے دوستوں اور رشتہ داروں نے یہ محسوس کیا کہ گردن کے پیچھے کا گوشت گھل چکا ہے تو اقبال سے کہا کہ شام کا کھانا جو کئی مہینوں سے بند ہو چکا تھا جاری کر دیں۔ پس ہمیں ان حوالوں سے یہ معلوم ہوا کہ اقبال ایک متوسط قد و قامت کا بدن رکھتے تھے۔

یونانی علاج میں خوراک اور پرہیز کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اگر چہ ایلو پیتھک علاج میں بھی بعض بیماریوں میں خوراک اہمیت رکھتی ہے لیکن ہر بیماری میں اس طرف توجہ نہیں رہتی۔ برصغیر کے ماحول میں غذا جو گھر پر تیار ہوتی ہے وہی ہمیشہ استعمال کی جاتی ہے اس کے برخلاف مغربی ماحول میں کم از کم ہفتہ میں دو یا تین دن غذا ہوٹل یا ریسٹورنٹ سے خریدی جاتی ہے۔ اقبال کی غذا کیا تھی اور کن کن چیزوں کا پرہیز تھا اس کو جاننے کے لیے ہم نے خود اقبال کے خطوط اور اقبال کے اطرافیان کے بیانات جو انھوں نے اقبال کے گھر کے سب سے معتبر خدمت گزار علی بخش سے سُنے ہیں اس تحریر میں پیش کرتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے بڑی حد تک خوراک اور پرہیز کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۵ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

حکیم صاحب سے دریافت کر کے فوراً مطلع کریں۔ میرا معمولی کھانا حسب ذیل ہے

(۱) صبح مکھن توس اور ایک انڈا نیم برشت یا نیم بائیل مع اچار

(۲) گیارہ بجے دوپہر کھانا، گوشت سبزی اور کبھی کبھی پلاؤ۔ کبھی اس کے بعد آم بھی کھاتا ہوں

(۳) چار بجے کے قریب بادام مقشر کی کھیر

(۴) شام کو صرف نمکین چائے یا کھیر دلیا مع دودھ

لکھن آم اور لیموں کے متعلق تو مجھے ہدایت مل گئی ہے۔ ان کے مطابق آئندہ عمل کروں گا۔ یہ بھی معلوم کیجئے کہ کون سا پھل میں کھا سکتا ہوں۔ چائے اور انڈے کے استعمال کے متعلق ان کی ہدایت کیا ہے؟

۲/اکتوبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

پلاؤ کھچڑی اور خشکہ چاول کے متعلق حکیم صاحب سے مفصل ہدایات حاصل کر کے مجھے مطلع کریں۔ رات کو روٹی کا استعمال میری طبیعت اور عادت کے خلاف ہے۔ اور چاول کے استعمال سے اندیشہ ہے کہ بلغم کی تولید نہ ہو۔

پھلوں میں سردہ کا اثر اچھا ثابت نہ ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس انگور کا اثر بھی آواز پر اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کیا پھلوں کی مائیت کی وجہ سے ہے۔ اس کے متعلق بھی مفصل ہدایات حاصل کر کے مطلع کریں۔

۱۲/جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

میں مع الخیر لاہور پہنچ گیا۔ سفر میں تو آواز کی حالت کچھ ایسی ہی رہی مگر لاہور پہنچ کر تمام دن (سوائے شام) آواز کی حالت بہ نسبت سابقہ بہتر ہے۔ حکیم صاحب سے مندرجہ ذیل امور دریافت کر کے مطلع فرمایئے:

(۱) تربوز کھاؤں یا نہ کھاؤں

(۲) دہی اور اس کے رائتہ اور لسی کے متعلق کیا ہدایت ہے؟

(۳) کسی سرد مقام مثلاً مری، شملہ وغیرہ جانا اور وہاں قیام کرنے کے متعلق کیا ہدایت ہے؟

(۴) انھوں نے فرمایا تھا کہ شربت بنفشہ اور عناب صبح پیا جائے مگر صبح دوائی نہار کھانی پڑتی ہے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد پھر ناشتہ کے ساتھ دوسری دوائی۔ شربت کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا۔ پھر شربت کس وقت پیا جائے؟ تیسرے پہر اگر بنفشہ یا عناب یا دیگر شربت جو آپ نے خریدے تھے پیئے جائیں تو کیا ہرج ہے؟

(۵) صبح جو دوائی کھائی جاتی ہے وہ پاخانہ کی فراغت کے بعد کھائی جائے یا پہلے بھی کھا سکتے ہیں؟ یہ سوال اس واسطے کیا ہے کہ بعض دفعہ پاخانہ دیر سے آتا ہے۔

(۶) خشکہ چاول کھانے کے متعلق کیا ہدایت ہے؟

(۷) دالوں میں کون سی دال کھائی جائے اور کس سے پرہیز کیا جائے؟

(۸) کشمیر کے مشہور گلاس کے متعلق کیا ہدایت ہے۔ اس میں کسی قدر ترشی ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا

القیاس آلوچہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

۲۰ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

نیند بھی رات کو خوب آتی ہے۔ البتہ آواز کے کھلنے کی رفتار کسی قدر سست ہے۔ آج چلغوزہ کھایا ہے۔ تازہ انجیر کی تلاش جاری ہے۔ سردہ کا موسم ابھی شروع نہیں ہوا۔ لیکن ترشی کے لیے ترس گیا ہوں۔ لیموں کو تو میں ہاتھ لگاتا نہیں، کیونکہ حکیم صاحب نے منع فرما دیا ہے مگر کیا اور کسی قسم کا اچار بھی منع ہے؟ دہی کی اجازت حکیم صاحب نے دی تھی لیکن اس میں بھی ترشی ہے۔ اس واسطے ڈرتا ہوں۔ ایک روز دہی کا آرائتہ کھایا تھا مگر وہ دہی اس قدر میٹھا تھا کہ آرائتہ کا کوئی لطف نہ تھا۔ پودینہ اور انار دانہ کی چٹنی کے لیے کیا حکم ہے؟ بٹیر بھی مارکیٹ میں نہیں ملتے۔ چوزہ کا گوشت کھایا ہے مگر گرمی اس قدر ہے کہ بھوک نہیں لگتی۔

۲۰ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں --

فالودہ پینے کو کبھی کبھی دل چاہتا ہے مگر حکیم صاحب سے پوچھنا بھول گیا۔ آپ دریافت کر کے مطلع کریں۔ سردہ ابھی لاہور میں نہیں آیا۔ کابل میں سردہ کا موسم تو اگست میں شروع ہوگا البتہ کوئٹہ کا سردہ شاید مل جائے میں نے وہاں لکھوایا ہے انجیر تازہ تلاش کرواؤں گا۔ حکیم صاحب کے نسخہ کی ایک مطبوعہ کاپی ارسال فرمائیں یعنی مطبوعہ کاغذ جس پر سبزی ترکاری وغیرہ کے استعمال کے متعلق ہدایات درج ہوں۔

۲۷ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

یہ بھی دریافت کیجئے کہ شہد کھانے کی ممانعت تو نہیں ہے۔ دہی کھانے کی اجازت حکیم صاحب نے دی تھی مگر میں نے کھا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا اثر اچھا نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس فالودہ بھی کھایا۔ اسکا اثر بھی گلے پر اچھا نہیں پڑا۔ بھنڈی ترئی کے متعلق حکیم صاحب کا کیا حکم ہے؟ قبض کی بھی کسی قدر شکایت رہتی ہے۔ اس دوا میں اس کا اہتمام ہو جائے تو خوب ہے۔ تازہ انجیر نہیں مل سکی۔ کابل و قندھار کی خشک انجیر مل سکے گی۔ اس کے متعلق بھی دریافت کیجئے۔ سردہ ابھی آنا شروع نہیں ہوا۔

۱۲ر نومبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

غذا میری آج کل حسبِ ذیل ہے:

صبح اٹھتے ہی دوا کا استعمال آٹھ بجے کے قریب چائے مع اُبلے ہوئے انڈوں کے۔ قریباً ۱۲ بجے یا ساڑھے گیارہ بجے کھانا جس میں روٹی اور سبزی میں پکا ہوا گوشت ہوتا ہے۔

کبھی شامی کباب بھی ہوتے ہیں۔اس کے بعد شہد خالص تین چار تولہ اور بادام۔رات کو بہت کم کھاتا ہوں۔یہ میری پرانی عادت ہے۔بھوک بھی کم ہوتی ہے۔تاہم کبھی کبھی تھوڑا کھا لیتا ہوں۔اور مرغ کا شوربا بالالتزام پیتا ہوں خواہ کچھ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔والسّلام

خالد نذیر صوفی جو علامہ کے بڑے بھائی عطا محمد کے نواسے تھے اپنی کتاب اقبال درون خانہ میں لکھتے ہیں۔

کھانے کے معاملے میں وہ سادہ مزاج ضرور تھے لیکن نفاست پسند تھے۔جو کچھ کھانے کو مل جاتا بہ رضا و رغبت کھا لیتے، کبھی کسی چیز میں نقص نہ ڈالتے، البتہ اچھے کھانے کی تعریف ضرور کرتے۔لیکن جو چیز آنکھوں کو بھلی معلوم نہ ہوتی اسے کھانے سے انکار کر دیتے۔والدہ صاحب اس سلسلے میں ایک واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ ''ایک روز ہنڈیا بھوننے میں زیادہ سرخ ہو گئی جس کی وجہ سے سالن ذرا سیاہی مائل ہو گیا۔چچا جان (علامہ صاحب) نے کھانے سے انکار کیا تو چچی جان (والدۂ جاوید) نے کہا کہ ''مزے دار تو بہت ہے''۔چچا جان نے فرمایا: ''جو چیز آنکھوں کو بھلی معلوم نہیں ہو رہی اس کے لذیذ ہونے کا کیا فائدہ؟'' انھیں مغز یا کلیجی وغیرہ پکی ہوئی دیکھنی بھی گوارہ نہ ہوتی۔ایک دفعہ بیماری کے دوران میں حکیم نابینا نے انھیں بکرے کا مغز بھون کر کھانے کا مشورہ دیا لیکن انھوں نے انکار کر دیا کہ کھانا تو ایک طرف، مغز دیکھ کر ہی میری طبیعت متلانے لگتی ہے۔ترش، چٹ پٹے اور مرغن کھانے انھیں بہت مرغوب تھے۔نمک مرچ تیز پسند کرتے تھے۔کھانے کے بعد میٹھا ضرور کھاتے۔عام طور پر والدۂ جاوید دودھ اور سویوں کی کھیر پکا کر رکھتیں جسے وہ بڑے شوق سے کھاتے۔عید کے دن ہمیشہ سویوں پر دہی ڈال کر کھاتے اور فرماتے کہ یہ میری والدہ کی پسند ہے۔ہر قسم کا اچار انھیں بہت پسند تھا۔خاص طور پر شلغم کا اچار بہت مرغوب تھا۔فرمایا کرتے: ''اچار شلغم ایک نعمت ہے''۔آم کا اچار جب ڈالا جاتا تو خاص طور پر ان کی ہدایت ہوتی کہ آم کی گٹھلی کے اندر کا گودا بھی اچار میں رہنے دیا جائے کیونکہ انہیں یہ بہت پسند تھا اور اچار کی پھانک کے ساتھ گودا بھی بڑی رغبت سے کھایا کرتے تھے۔خشکہ ان کی طبیعت کو راس نہیں آتا تھا اس لیے عام طور پر روٹی ہی کھاتے۔شب دیگ کے بہت شوقین تھے اور شب دیگ ہمیشہ خشکے کے ساتھ کھاتے تھے۔

میٹھی چیزیں انھیں بہت پسند تھیں۔یہاں تک کہ دوا بھی میٹھی ہی پسند فرماتے۔جب کبھی دوا کی ضرورت محسوس ہوتی، حکیم نابینا یا کسی دوسرے حکیم سے رجوع فرماتے تاکہ کسی میٹھی معجون یا خمیرۂ گاؤزبان ہی سے کام چل جائے۔خمیرۂ گاؤزبان ان کی پسندیدہ دوا تھی۔

کڑوی کسیلی دوا پینا ان کے لیے انتہائی مشکل ہوتا۔ کسی دوسرے شخص کو خاموشی اور آرام سے کڑوی دوا پیتے دیکھ کر بہت حیران ہوا کرتے۔

آپ ریوڑیاں، کشمش، اور اخروٹ کے مغز ملا کر بڑے شوق سے کھاتے۔ سیالکوٹ سے جو بھی لاہور جاتا، اُن کا یہ من بھاتا کھاجا ضرور ہمراہ لے کر جاتا۔ (ان دنوں سیالکوٹ کی ریوڑیاں بہت اچھی ہوتی تھیں۔ جب خود سیالکوٹ آتے تو روزانہ یہ کھاجا ضرور کھاتے)۔

آپ کھانا بڑی قلیل مقدار میں کھانے کے عادی تھے۔ صبح ہلکا سا ناشتہ، دوپہر کے وقت کبھی تھوڑا سا پلاؤ یا ایک ڈیڑھ خمیری روٹی (انھوں نے کبھی پوری دو روٹیاں نہیں کھائیں)۔ اور رات کو مکمل فاقہ۔ البتہ رات کو نو دس بجے کے قریب دو خطائیاں اور نمکین کشمیری چائے (سبز چائے) کی ایک پیالی نوش فرماتے۔ دوپہر کے کھانے کے ہمراہ پانی بہت قلیل مقدار میں استعمال فرماتے، البتہ کبھی کھانے کے بعد چائے مل جاتی تو ایک پیالی پی لیا کرتے۔ گوشت سے رغبت زیادہ تھی لیکن ہر قسم کی سبزیاں بھی پسند کرتے تھے۔ پلاؤ اور شامی کباب ان کے پسندیدہ کھانے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اسلامی کھانے ہیں۔ تیغ کباب بھی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔

نانا جان مرحوم نئی نئی قسم کے کھانے بہت پسند فرماتے تھے۔ والدہ مکرمہ بتاتی ہیں: ''کہیں سے کوئی نئی ترکیب معلوم ہوتی تو چچی جان کو آ کر بتاتے اور چچی جان اتنی ماہر تھیں کہ ان کی بتائی ہوئی نامکمل ترکیب ہی سے مطلوبہ کھانا تیار کر لیا کرتیں اور چچا جان بڑی رغبت سے کھاتے اور داد دیتے۔ ایک دفعہ آپ کہیں سے پلاؤ پکانے کی یہ ترکیب سن کر آئے کہ پلاؤ میں اگر ٹماٹروں کا پانی ڈال کر پکایا جائے تو بہت لذیذ ہوتا ہے۔ چچی جان سے ذکر کیا تو انھوں نے دوسرے ہی روز اس ترکیب کو آزما ڈالا۔ چچا جان نے تناول فرمایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''یہ تو واقعی بے حد لذیذ ہے، اب جب بھی پلاؤ پکائیں تو یہی طریقہ استعمال کیا کریں۔ چنانچہ چچی جان ہمیشہ ہی ٹماٹر والا پلاؤ پکایا کرتیں۔'' ان کی یہ ترکیب ایسی مشہور ہوئی کہ خاندان میں اس کا نام ہی ''سردار چچی والا پلاؤ'' رکھ دیا گیا۔''

جب انھیں دردِ گردہ کی شکایت ہوئی تو معالجین نے تشخیص کیا کہ رات کے فاقے کی بنا پر گردن پر سے چربی بالکل ختم ہو چکی ہے اس لیے رات کا کھانا فوراً شروع کر دیا جائے۔ معالجین نے رات کے کھانے میں مرغ مسلم تجویز کیا۔ چند روز تو آپ نے اس پر عمل کیا لیکن چونکہ عادت نہ تھی اس لیے ہاضمہ خراب رہنے لگا۔ چنانچہ مرغ دوپہر کے کھانے میں شامل کر دیا گیا اور رات کو تھوڑا سا دلیہ یا کھچڑی کھانے لگے۔

آم ان کی سب سے بڑی کمزوری تھے۔خواہ بیمار ہوں، آم سے پرہیز ناممکن تھا۔ (نانا جان پرہیز کے بالکل قائل نہ تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ پرہیز کا میں قائل نہیں) گرمیوں میں تقریباً روزانہ ہی اعلیٰ سے اعلیٰ اقسام کے آم منگوائے جاتے اور کام و دہن کو لطف اندوز کیا جاتا۔سہارن پور، الہٰ آباد، اور دلی وغیرہ سے ان کے نیاز مند دوست قسم قسم کے آم بھجواتے جنھیں وہ خود بھی بڑی رغبت سے کھاتے اور احباب کو بھی کھلاتے۔

وہ آم کی تعریف بڑے نرالے انداز میں کیا کرتے تھے، ان کا فرمانا تھا کہ "قدرت نے میووں کو ترقی دے کرانگور بنائے اور انگوروں میں جو کمی رہ گئی تھی وہ آموں کی تخلیق میں پوری کردی۔"

اقبال ۲۷ر جون ۱۹۱۷ء کو نیاز الدین خان کو لکھتے ہیں ---

"واقعی آم دردگردہ کے مریض کے لیے اچھا ہے اور مجھ کو بھی اس سے محبت ہے۔گزشتہ سال مولانا اکبر نے مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا میں نے پارسل کی رسید اس طرح لکھی۔

اثر یہ ترے اعجاز مسیحائی کا ہے اکبر
الہٰ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا

۲۳ر مارچ کو محمد عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں ---

گوشت تو میں نے ترک کر دیا ہے۔البتہ مرغ اور مچھلی استعمال میں ہے اور میں صرف ایک دفعہ دوپہر میں جو کچھ کھا لیتا ہوں کھا لیتا ہوں اور شب میں فاقہ اس طریق عمل سے مزاج صاف رہتا ہے۔

اقبال درون خانہ میں پرہیز کے بارے میں خالد نظیر صوفی لکھتے ہیں۔

پرہیز کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے کمزور تھے۔اُس کے علاوہ دوا ہو یا غذا ایک خاص معیار نفاست مدنظر تھا۔مثلاً حکیم صاحب نے کہا کہ مغز عصفور یا مغز خرگوش مفید رہے گا۔لیکن علامہ نے کہا "معاذ اللہ! مغز تو ایک طرف رہا، مجھے تو دل، کلیجی، گردے وغیرہ بھی کھانے سے کراہت محسوس ہوتی ہے۔" غرض مغز کسی صورت میں استعمال ہی نہیں کیا۔

روزگار فقیر میں فقیر وحید الدین اقبال کی خوراک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ---

عنفوان شباب کے بعد ڈاکٹر صاحب کو عمدہ قسم کے کھانوں اور زبان کے چٹخاروں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔علی بخش ان کا پرانا خادم جو ابھی بقید حیات ہے ان کے لیے ایک سالن اور دو پھلکے پکا دیتا۔وہ عام طور پر دوپہر کو کھانا کھاتے، رات کا کھانا ناغہ کر دیتے لیکن جس دن اتفاق سے دوپہر کا کھانا نہ کھاتے، اُس دن رات کا کھانا تناول فرماتے۔اُن کا دن رات میں

ایک بار کھانے کا معمول ایک دو سال نہیں کم و بیش ۲۰۔۲۵ سال قائم رہا۔ جب تک اندرون بھاٹی گیٹ اُن کا قیام رہا، رات کو عموماً دودھ پی لیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ معمول بھی منقطع ہوگیا۔ انگور، آم اور خربوزے بڑے شوق سے کھاتے جب حکیم نابینا نے گلے کی تکلیف میں سردہ ان کیلئے تجویز کیا تو حکومت افغانستان کی جانب سے انہیں سردے بھیجے جاتے۔ اکبرالہٰ آبادی انہیں آم بھیجتے لیکن ان مرغوب پھلوں کے لیے خود کوئی اہتمام نہ کیا جاتا تھا۔

اقبال کے خطوط اور مستند حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) کھانے میں نفاست پسند لیکن سادہ خوراک تھے۔ ان کی غذا ہمیشہ قلیل مقدار ہوتی۔

(۲) غذا کی خوش مزگی کے ساتھ خوش رنگی پر زیادہ دھیان دیتے تھے۔

(۳) نمک مرچ تیز پسند کرتے۔ ترش چٹ پٹے اور مرغن کھانے انہیں مرغوب تھے۔ آم اور شلغم کے اچار کے عاشق تھے۔

(۴) چاول کی نسبت روٹی زیادہ کھاتے۔ شب دیگ کے شوقین تھے۔

(۵) کھانے کے بعد میٹھا ضرور کھاتے۔

(۶) گوشت سے رغبت زیادہ تھی لیکن بعد میں نقرس کے علاج کے طور پر مچھلی اور مرغ کو گوشت پر ترجیح دیتے تھے۔

(۷) آم کے بہت شوقین تھے۔ انگور بھی ان کا پسندیدہ میوہ تھا۔

(۸) شامی کباب، ٹماٹر پلاؤ، مرغ کا شوربا، اور سبز چائے انھیں بہت پسند تھی۔

(۹) کھچڑی کے ساتھ اصلی گھی، اور سیخ کباب کھاتے اور کہتے یہ اسلامی کھانے ہیں۔

(۱۰) ہاضمہ خراب تھا اس لیے ہمیشہ سوڈے کی بوتلیں ساتھ رکھتے۔

(۱۱) دودھ، سویاں، اور دہی کا استعمال ہمیشہ کرتے۔

(۱۲) لسی، فالودہ، دہی اگرچہ حکیم صاحب نے آخری عمر میں آواز بیٹھ جانے کی وجہ سے بند کروادیا تھا لیکن بد پرہیزی کرتے اور پھر حکیم صاحب کو اطلاع بھی دے دیتے تھے۔

(۱۳) حکیم فقیر محمد نے تاکید کی تھی کہ دودھ اور اس سے بنی ہر شئے سے پرہیز کریں لیکن وہ توجہ نہیں کرتے تھے۔

حکایات:

۱۔ علامہ اقبال نے دوران گفتگو اپنے دوستوں سے کہا جس طرح کا کھانا راجہ محمود آباد نے کانفرس کے شرکت کرنے والوں کو دیا اُس طرح کا کھانا میں نے عمر بھر نہیں کھایا۔

۲۔ آم کے شوق کے بارے میں ڈاکٹر جاوید اقبال زندہ رود میں لکھتے ہیں۔

''جب وہ گرمیوں کے موسم میں دریائے راوی کے کنارے میاں نظام الدین کے آموں کے باغات میں راقم کو ساتھ لے کر جاتے۔ایک بڑے حوض کے قریب محفل جمتی۔نل کے ٹھنڈے پانی سے بھرے ہوئے حوض میں صبح ہی سے ڈھیروں چوسنے والے آم ڈال دیے جاتے۔اقبال کی پسندیدہ قسم پیٹو آم تھا جس کا نام انھوں نے خود ہی رکھا تھا۔راقم کپڑے اتار کر حوض میں اتر جاتا اور ڈبکی لگا کر آم نکالتا۔خود بھی کھاتا اور انھیں بھی پیش کرتا۔

❁❁❁

دواؤں کے نام

کہتے ہیں بڑے آدمی کی چھوٹی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔جیسا کہ مختلف خطوں میں خود علامہ نے لکھا کہ لوگ میری بیماری میں اس لیے دل چسپی لے رہے ہیں تاکہ دیکھیں ڈاکٹروں کو کب شکست ہوتی ہے یعنی ایلوپیتھک (انگریزی دواؤں) کو یونانی (یونانی دواؤں) سے کب شکست ہوتی ہے۔ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔''ڈاکٹر بغلیں بجا رہے ہیں کہ آواز ٹھیک نہ ہوگی مجھے حکیم صاحب پر بھروسہ ہے۔'' کسی مقام پر کہتے ہیں اسلامی طب صدہا سالوں کا تجربہ ہے ایلوپیتھک دوائیں کیا ہیں آج ایجاد ہوئیں اور کل متروک ہو گئیں۔جب ۱۹۲۸ء میں علامہ کے گردہ درد کا دورہ شدید ہوا اور حکیم نابینا کی دوا روح الذہب سے فائدہ ہوا تو علامہ نے حکیم نابینا اور ان کی دوا روح الذہب کی تعریف میں یہ اشعار لکھے۔

ہے دو روحوں کا نشیمن قالب خاکی مرا
اک سراپا شور و مستی اک سراپا تاب و تب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے روز ازل
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب
اس سے زیادہ اور کیا لکھوں میں اے لقماں ملک
رکھتا ہے بے تاب دونوں کو مرا حسن طلب

علامہ نے جو روح الذہب استعمال کی اور اپنے خطوط میں اس کا اشارہ کیا اس کا اثر یہ

ہوا کہ ان کے انتقال کے بعد بھی لوگ جوق در جوق اس کا استعمال کرنے لگے۔

نیویارک کے ممتاز طبیب اور شاعر ڈاکٹر عبدالرحمان عبد جو علامہ اقبال سے والہانہ محبت کرتے ہیں مجھے ایک کتابچہ کی فوٹو کاپی روانہ کی جسے انھوں نے حکیم ناچیا کے نبیرہ ڈاکٹر انصاری صاحب سے حاصل کی جن کے ہم مشکور ہیں جس میں روح الذہب کے معجزہ نما خواص پر گفتگو کی گئی ہے کہ یہ نسخہ پانچ ہزار سال قدیم ہے جس میں سونے کو بطور دوا استعمال کیا گیا ہے۔اس کتابچہ کے صفحات (30) اور (31) پر مزید لکھا ہے کہ۔۔۔افتخار قوم وملت علامہ اقبال مرحوم اعلی اللہ مقامہٗ کے بائیں گردے میں اس قدر بڑی پتھری تھی کہ ایکس ریز دیکھ کر ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ گردہ اس کی ضخامت کی تاب نہ لاکر پھٹ جائے گا اور آپریشن اس کے لیے محال بتلایا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو عرصے سے قلبی عارضہ تھا۔روح الذہب کے استعمال سے صرف (۲۴) گھنٹے میں پتھری بلا تکلیف ریزہ ریزہ ہو کر پیشاب سے خارج ہو گئی۔

راقم نے دردگردہ Renal Colic کے بیان میں اس پر گفتگو کی ہے۔اس قسم کے معجزات کو جدید طب قبول نہیں کرتی۔

علامہ اقبال کے خطوں اور مستند حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ کئی دوائیں اقبال نے استعمال کیں لیکن ان میں چند نام جو محفوظ رہے وہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

طبّی دوائیں:

۱۔روح الذہب
۲۔کب تقویت صلب
۳۔روح الذہب جدید
۴۔گاؤزبان عنبری
۵۔دوالمسک
۶۔گل قند
۷۔جواہر مہرہ
۸۔لیپ جو چار گوندوں سے بنایا جاتا ہے
۹۔سرمہ
۱۰۔روغن گل

۱۱۔موتی منجن
۱۲۔روغن اوجاع
۱۳۔اکسیر آئیل
۱۴۔لنٹ کی پٹی جو محلول میں ڈبو کر لگائی جاتی تھی۔
۱۵۔بہیدانہ شربت
۱۶۔شربت عناب
۱۷۔شربت بنفشہ
۱۸۔Embrocation Ointment

ایلوپیتھک دوائیں:

۱۔نیند کی گولیاں
۲۔فروٹ سالٹ
۳۔Mersyle s کا انجکشن
۴۔امونیم کلورائیڈ
۵۔گلیسرین

❀❀❀

کیا اقبال نے بیس (20) سال عمر کم پائی؟

یہ سچ ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے انسان اپنی تقدیر کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور ایک عمر معیّن ساتھ لاتا ہے چنانچہ جب مرگ معیّن کا وقت آجاتا ہے تو کوئی اِسے ٹال نہیں سکتا۔میر انیس نے کیا خوب کہا ہے!

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب سرورِ عالم نہ رہے کون رہے گا

اس حقیقت کے اقرار کے ساتھ یہ بھی پوری طرح سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ طویل عمر کی نعمت بڑی حد تک موروثی ہوتی ہے۔قدیم زمانے کے لوگ خصوصاً عربی قبائل اس راز سے واقف تھے چنانچہ رشتہ کرتے وقت شجاعت اور طول عمر کو پیش نظر رکھتے تھے۔تاریخ اور ادب

میں اس کے کئی اشارے ملتے ہیں۔

میڈیکل سائنس کا ایک بڑا شعبہ آج کل Genetic اسٹڈی میں مصروف ہے Genetic Tree کی جو اہمیت آج ہے ایسی کبھی بھی نہ تھی آج کل اس ٹیکنالوجی کی بدولت نہ صرف کئی سرطان، بیماریوں اور بدنی توانیوں کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس سے عمر کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص حادثات اور مہلک بیماریوں سے نجات پائے تو اُس کی طبعی عمر عموماً پانچ دس سال کم و زیادہ اس کے والدین یا بھائیوں بہنوں سے ہوگی بشرطیکہ وہ حفظان صحت کے اصولوں کو مدِ نظر رکھے اور اپنے جسم کو خطرہ میں نہ ڈالے۔ یہاں یہ بھی تذکرہ ضروری ہے کہ موروثی طولانی عمر میں عموماً مہلک اور وبائی بیماریوں سے محفوظ رہنے کی طاقت یا immunity بھی رہتی ہے۔ ہم نے اس کتاب میں یہ بتایا ہے کہ علامہ اقبال کمزور پھیپھڑوں کو رکھتے ہوئے بھی ۱۹۱۸ء کے جان لیوا انفلوئنزا جس سے کروڑوں افراد جاں بحق ہوئے، محفوظ رہے۔ یہی نہیں بلکہ Cholera ہیضہ، چیچک اور طاعون سے بھی امان میں رہے۔ شاید ان کے تمام خاندان میں یہ Immunity عام لوگوں کی نسبت زیادہ ہوگی۔

علامہ اقبال نے اس زمانے کے لحاظ سے اچھی عمر پائی چنانچہ اُس دور میں جو جنگ جہانی دوئم کے اوائل کا دور ہے عام برصغیر کے شخص کی طبعی عمر تقریباً (55) سال تھی لیکن آج اوسط طبعی عمر (70) سال کے لگ بھگ ہے کیونکہ بہت سی بیماریوں کے دوائی موثر علاج اور جراحی کے اعلیٰ آلات کے ساتھ کمپیوٹر اور لیزر (Laser) کے استعمال نے موت کو پیچھے ڈھکیل دیا ہے اور اب اگر کوئی شخص طولانی عمر کے عمدہ Genes رکھتا ہو تو وہ آسانی کے ساتھ سو برس جی سکتا ہے۔

اقبال کے خاندان کے افراد کی عمریں دیکھنے سے یہ معلوم ہتا ہے کہ اقبال کے والد نے (93) سال، والدہ نے (75) سال، بھائی، بہن، بیٹے سب نے اسّی (80) سال سے زیادہ اور اب بقید حیات فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال (83) سال اور بیٹی منیرہ بیگم (77) سال سے اوپر بفضل خدا متعال صحت و تندرستی کی زندگی بسر کر رہے ہیں جو آسانی کے ساتھ اچھے عمدہ Genes ہونے کی وجہ سے انشاءاللہ سو سال سے زیادہ زندہ رہ سکتے ہیں۔ آمین۔

اقبال کی نسبتاً کم عمری کی وجہ بچپن سے کمزور طبیعت، تساہل پسندی جس میں کوئی ورزش نہ تھی۔ فکری اور Stressful اعصاب فشارہ زندگی، تمباکو نوشی، بد پرہیزی، کشتوں کا استعمال، Ultra Violet Rays کا بے وجہ استعمال، نقرس کی دوائیں، گردے، دل، اور پھیپھڑوں کی بیماریاں اور ان کا شدید یونانی علاج جس میں drug effect کے مضر اثرات شامل ہو سکتے ہیں۔

ن تمام مسائل کو لکھنے کے بعد یہی کہنا صحیح ہے (ھوالعالم)

ع۔ سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

اور شاید اسی مختصر اور کارآمد عمر پر اقبال راضی بھی تھے اسی لیے تو ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں ۔۔۔اس واسطے یہ فیصلہ کر بیٹھا ہوں چلو اگر مقررہ وقت سے کچھ عرصے پہلے رخصت ہو گئے تو کیا مضائقہ ہے؟ میرے دوست ڈاکٹر ہمیشہ کہتے ہیں کہ ورزش وغیرہ سے عمر میں اضافہ ہوگا میرا جواب یہی ہوتا ہے کہ دس سال پہلے کیا اور پیچھے کیا آخر رخصت ہونا ہے.....

علامہ اقبال کے خاندان کے افراد کی عمریں

رشتہ	نام	ولادت	وفات	عمر
	شیخ محمد اقبال	1877	1938	61 سال کچھ مہینے
والد	شیخ نور محمد	1837	1930	93 سال
والدہ	امام بی بی	1840 تخمیناً	1914	75 سال
بڑے بھائی	شیخ عطا محمد	1859	1940	81 سال
بڑی بہن	طالع بی بی	1870	1902	32 سال کی عمر میں وبا کا شکار ہو کر مر گئی
بڑی بہن	فاطمہ بی بی	نا معلوم	نا معلوم	نا معلوم
چھوٹی بہن	کریم بی بی	1878	1958	80 سال
چھوٹی بہن	زینب بی بی	نا معلوم	نا معلوم	نا معلوم
بڑی بیٹی	معراج بانو	1895	1914	19 سال کی عمر میں ٹی بی سے مر گئی
بڑا بیٹا	آفتاب اقبال	1898	1979	81 سال
چھوٹا بیٹا	جاوید اقبال	1924	حیات	83 سال

چھوٹی بیٹی	منیرہ بیگم	1930	حیات	77 سال

❀❀❀

وبای جہانی سے نجات

یہ بھی خدا کا فضل تھا کہ ۱۹۱۸ء کے جان لیوا انفلوئنزا وبا (Pandemic Influenza 1918) جس میں کئی ملین افراد مر گئے ۔علامہ اقبال ضعیف پھیپھڑوں اور Chronic Bronchitis کے مرض میں مبتلا رہتے ہوئے بھی اس مہلک بیماری سے مصنون immune رہے۔ چنانچہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کا خط اکبرالہ آبادی کے نام اور ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کا خط محمد نیاز الدین خان کے نام اس جان لیوا بیماری کے لاہور پر اثرات کی مستند دستاویزیں ہیں۔

اکبرالہ آبادی کو لکھتے ہیں ۔۔۔"لاہور میں وبائے انفلوئنزا کی بہت شدت ہے۔ یہاں تک کہ گورکن میسر نہیں آتے۔ دوا سے بھی اس مرض کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اوّل تو معلوم ہی نہیں کہ اس کا علاج کیا ہے؟ دوسرا دوا موجود نہیں اور ڈاکٹر خود اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ پنجاب میں اس وقت اس کا حملہ نہایت شدید ہے۔ لاہور میں قریباً ڈھائی سو اموات روزانہ ہیں اور ابھی کمی کے کوئی آثار نہیں۔ امرت سر میں بھی یہی کیفیت ہے۔ امید کہ الہ آباد میں خیریت ہوگی۔ مسلمانوں پر خصوصیت سے زیادہ نظر عنایت ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے"۔

نیز خان محمد نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں ۔۔۔

"لاہور میں وبا کی شدت بہت ہے یہاں تک کہ گورکن بھی میسر نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ سب جگہ اپنا فضل کرے اس بیماری کے جراثیم تمام دُنیا کی فضا میں پائے جاتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اطبا اس کی تشخیص سے عاری ہیں۔ دوائی سے اس کا مقابلہ نہیں ہوسکتا کہ دوائی میسر نہیں ہوتی۔ دارچینی کا استعمال کہتے ہیں مفید ہے۔ قہوہ، دو چار دفعہ دن میں پیا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرمائے۔"

علامہ طاعون کی وبا سے بھی محفوظ رہے۔ ۲۲ر اپریل ۱۹۲۴ء کو خان محمد نیاز الدین کو لکھتے ہیں ۔۔۔

"لاہور میں طاعون کا زور ہے۔ میں چند دنوں سے مع اہل و عیال لدھیانہ میں ہوں۔ دو چار روز میں واپس لاہور جاؤں گا۔